✿✿✿ تقریر ✿✿✿

تقریر بابت قرآن کریم
وقت 5-7 منٹ

قرآن عظیم میں اعداد کا استعمال

(سو(100) کے ہندسے کا ذکر اور ہماری ذمّہ داریاں)

(تقریر نمبر 12)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَھُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ

(البقرۃ:262)

ترجمہ: جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے اس فعل) کی حالت اس دانہ کی حالت کے مشابہ ہے جو سات بالیں اگائے (اور) ہر بالی میں سو دانہ ہو۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے‘ (اس سے بھی) بڑھا (بڑھا کر) دیتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا (اور) بہت جاننے والا ہے۔

ہے شُکرِ ربِّ عَزّوَجلّ خارج از بیاں
جس کے کلام سے ہمیں اس کا مِلا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہو گی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اس سے ہمارا پاک دل وسینہ ہو گیا
وہ اپنے مُنہ کا آپ ہی آئینہ ہو گیا
اُس نے درختِ دِل کو معارف کا پھل دیا
ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دِل بدل دیا

(درثمین)

میرے معزز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو مختلف اعداد کا استعمال فرمایا ہے۔ وہ حکمت سے خالی نہیں۔ ہم مشاہدات کے تحت اِن تمام اعداد کو فرداً فرداً زیرِ بحث لا رہے ہیں۔ آج کی تقریر 100 کے ہندسے پر گفتگو کے لئے وقف ہے۔ 100 سینکڑے کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو 99 (ننانوے) میں ایک ہندسے کا اضافہ کے ساتھ ہے۔ اِسے سنچری بھی بولتے ہیں۔ سنچری کا لفظ ایسا ہے جو پورا ہونے پر جشن منایا جاتا ہے۔ ان فگرز کے استعمال میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لئے ایک انمٹ نقوش والے اسباق بیان فرمائے ہیں جو علمی بھی ہے، روحانی بھی، اخلاقی بھی، دینی بھی اور دنیاوی بھی ہیں۔ فیروز اللغات میں لکھا ہے 100 کا ہندسہ کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے محاورہ ہے سَو جتن کئے، سَو مَن تیل اور سَو کوس دُور بھاگنا یعنی بہت زیادہ پرہیز کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں 100 کے لئے مِائَۃُ کے الفاظ 6 دفعہ استعمال فرمائے ہیں۔ جبکہ اس کی جمع مِآتَیۡن دو دفعہ استعمال ہوا ہے یعنی دو سینکڑے اور اَلفُ مِّائَۃ کا استعمال ایک بار ہوا ہے۔ سب سے پہلے بات مِائَۃُ یعنی سو کے عدد کو کر لیتے ہیں۔

سورۃ البقرۃ میں تین بار مِائَۃُ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر 260 میں دو بار اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے۔

اور (کیا تونے) اس شخص کی مثل (کوئی آدمی دیکھا ہے) جو ایک ایسے شہر کے پاس سے گزرا جس کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی چھتوں کے بل گرا ہوا تھا (اس کو دیکھ کر) اس نے کہا کہ اللہ اس کی ویرانی کے بعد اسے کب آباد کرے گا اس پر اللہ نے اسے سَو سال (تک خواب میں) مارے رکھا۔ پھر اسے اٹھایا (اور) فرمایا (اے میرے بندے) تو کتنے عرصہ تک (اس حالت میں) رہا ہے۔ اس نے کہا میں (اس حالت میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہا ہوں تب اللہ نے) فرمایا (یہ بھی ٹھیک ہے) اور تو (اس حالت میں) سَو سال تک بھی رہا ہے۔ اب تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف دیکھ کہ وہ سڑا نہیں اور اپنے گدھے کی طرف (بھی) دیکھ اور ان دونوں کا سلامت رہنا دیکھ کر سمجھ لے کہ تیرا خیال بھی اپنی جگہ درست ہے اور ہمارا خیال (بھی) اور ایسا ہم نے اس لئے کیا ہے تا تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح اپنی اپنی جگہ رکھ کر جوڑتے ہیں پھر ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس پر (حقیقت) پورے طور پر ظاہر ہوگئی تو اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

سامعین! سورۃ البقرہ کی اس آیت کو گزشتہ آیت کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو اس میں دو مثالیں دی گئی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی مثال دی ہے اور زیرِ بحث آیت میں حضرت حزقیلؑ کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جو پُرانے عہد نامے حزقیل باب 37 میں بیان ہوا ہے۔ لیکن یہاں سو سال کی میعاد کا ذکر ہے۔ یہ قرآن کریم کی صداقت ہے اور اُس کے کامل ہونے کی ایک زبردست ثبوت ہے کہ جو ضروری امور پچھلی کتب میں بیان نہیں ہوئے قرآن کریم نے ان کو بیان کر دیا ہے۔ مفسّرین نے اس واقعہ پر جو اپنا تجزیہ پیش کیا ہے۔ اُس کا محاکمہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے کہ

"غرض ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسّرین نے اس واقعہ کو جس رنگ میں پیش کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اب مَیں اس واقعہ کی وہ حقیقت بیان کرتا ہوں جو میرے نزدیک درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو اُس شخص کی طرف دیکھ جو ایک بستی یا گاؤں پر سے ایسی حالت میں کہ وہ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا گزرا اور اُس نے سوال کیا کہ الٰہی! یہ بستی اپنی ویرانی کے بعد کب آباد ہوگی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے سو (100) سال تک مارے رکھا (یعنی خواب میں) اور پھر اُسے اٹھایا اور اُس سے پوچھا کہ تُو کتنی دیر تک رہا ہے۔ اُس نے کہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ بات تو درست ہے لیکن اس کے علاوہ ہم تجھے ایک اور بات بھی بتاتے ہیں کہ تو سو سال تک بھی رہا ہے۔ تیری بات کے سچا ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ تو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ! وہ سڑا نہیں لیکن میری بات کے سچا ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے تجھے کشفی حالت میں سو سال کا نظارہ دکھایا ہے اور جب یہ رؤیا پورا ہوگا اس وقت لوگوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تیرا خدا کے ساتھ سچا تعلق تھا۔ جب اس پر یہ حقیقت روشن ہوگئی تو اس نے کہا مَیں ایمان لاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے آگے یہ کچھ مشکل نہیں کہ وہ اسی اجڑی ہوئی بستی کو اپنے فضل سے پھر دوبارہ آباد کر دے۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ اِس بستی سے یروشلم مراد لیا کرتے تھے جسے بخت نصر نے تباہ کر دیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ وہ آدمی جو یروشلم کے پاس سے گزرا وہ حزقیل نبی تھا جس پر خدا تعالیٰ نے اس بات کا انکشاف کیا کہ ایک سو سال تک یہ شہر دوبارہ آباد ہو جائے گا اور میرے نزدیک یہ بات درست ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 596)

پھر آپؓ تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس کشف اور الہام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشخبری دی کہ ایک سو سال تک یہ شہر آباد ہو جائے گا۔ چنانچہ ٹھیک سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی ترقی اور آبادی کی صورت پیدا کر دی۔ یروشلم کی تباہی دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ 597 قبل مسیح میں اور دوسری دفعہ یروشلم کی بغاوت پر 586 قبل مسیح میں۔ اس جگہ سو سال دوسری تباہی سے ہی لئے جائیں گے کیونکہ شہر کو اِسی میں برباد کیا گیا تھا۔ اس کے بعد 519 قبل مسیح میں یروشلم کی دوبارہ بنیاد رکھی گئی اور تیس سال تک تعمیر جاری رہی جس کے نتیجہ میں 489 قبل مسیح میں یروشلم صحیح طور پر آباد ہوا۔ پس درمیانی فاصلہ تقریباً سو سال (98 سال) کا ہی ثابت ہوتا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 600)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس واقعہ کا محاکمہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

"اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے اور یہی مفسّرین نے استنباط کیا ہے کہ ایک شخص کو خدا تعالیٰ نے سو سال کے لئے مار دیا اور سو سال کے بعد زندہ کیا تو اس کا کھانا پینا اور گدھا وغیرہ اسی طرح صحیح سالم موجود تھے۔ یہ بالکل لغو استنباط ہے جو قرآن کریم کی گستاخی ہے۔ اس آیت کریمہ سے مراد صرف یہ ہے کہ ایک رات کی نیند میں اسے آئندہ سو سال کے دوران رونما ہونے والے واقعات دکھلا دیئے گئے۔ مگر جب اس کی آنکھ کھلی تو اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا۔ دیکھ! تیرا گدھا بھی اسی طرح موجود ہے اور تیرا کھانا بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا رات کو رکھا گیا تھا۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 69، حاشیہ نمبر 2، زیرِ آیت البقرہ 260)

سامعین! تیسری جگہ مِائَۃُ کا لفظ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ ہی کی آیت 262 میں استعمال فرمایا ہے جس کی تلاوت خاکسار تقریر کے آغاز پر کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے بیج کی طرح ہے جو سات بالیں اُگاتا ہو۔ ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے (اس سے بھی) بہت بڑھا کر دیتا ہے۔ اور اللہ وسعت عطا کرنے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زراعت میں ایک آزمائی ہوئی حقیقت کو اس آیت میں بیان فرما کر مؤمنوں کو مالی قربانی کرنے اور اس کے بدلے میں 700 گنا اضافہ کے ساتھ ثواب دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ نوٹ دیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

"یعنی خدا کی راہ میں جو لوگ مال خرچ کرتے ہیں، ان کے مالوں میں خدا اس طرح برکت دیتا ہے کہ جیسے ایک دانہ جب بویا جاتا ہے تو گو وہ ایک ہی ہوتا ہے، مگر خدا اس میں سے سات خوشے نکال سکتا ہے اور ہر ایک خوشے میں سو دانے پیدا کر سکتا ہے۔ یعنی اصل چیز سے زیادہ کر دینا یہ خدا کی قدرت میں داخل ہے اور در حقیقت ہم تمام لوگ خدا کی اسی قدرت سے ہی زندہ ہیں۔ اگر خدا اپنی طرف سے کسی چیز کو زیادہ کرنے پر قادر نہ ہوتا تو تمام دنیا ہلاک ہو جاتی اور ایک جاندار بھی روئے زمین پر باقی نہ رہتا۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 170-171)

حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر تم دینی کاموں کے لئے اپنے اموال خرچ کرو گے تو جس طرح ایک دانہ سے اللہ تعالیٰ سات سو دانے پیدا کر دیتا ہے اسی طرح وہ تمہارے اموال کو بھی بڑھائے گا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ترقی عطا فرمائے گا جس کی طرف وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ میں اشارہ ہے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بیشک بڑی قربانیاں کی تھیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کا پہلا خلیفہ بنا کر انہیں جس عظیم الشان انعام سے نوازا اس کے مقابلہ میں ان کی قربانیاں بھلا کیا حیثیت رکھتی تھیں! اسی طرح حضرت عمرؓ نے بہت کچھ دیا مگر انہوں نے کتنا بڑا انعام پایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی جو کچھ خرچ کیا اس سے لاکھوں گنا زیادہ انہوں نے اسی دنیا میں پایا۔ اسی طرح فرداً فرداً صحابہؓ کا حال دیکھتے ہیں تو وہاں بھی خدا تعالیٰ کا یہی سلوک نظر آتا ہے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کو ہی دیکھ لو۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے پاس تین کروڑ روپیہ جمع تھا۔ اس کے علاوہ اپنی زندگی میں وہ لاکھوں روپیہ خیرات کرتے رہے۔ اسی طرح صحابہؓ نے اپنے وطن کو چھوڑا تو ان کو بہتر وطن ملے۔ بہن بھائی چھوڑے تو ان کو بہتر بہن بھائی ملے۔ اپنے ماں باپ کو چھوڑا تو ماں باپ سے بہتر محبت کرنے والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنے والا کبھی بھی جزائے نیک سے محروم نہیں رہا۔"

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 604)

پیارے بھائیو! قرآن کریم میں مِائَۃُ کے الفاظ چوتھی بار سورۃ الکھف آیت 26 میں آیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی غار میں تین سو سال کے دوران گنتی کے چند سال رہے اور اس پر انہوں نے مزید نو کا اضافہ کیا۔

(ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سورۃ الکھف آیت 26)

حضرت مصلح موعودؓ نے اس آیت کے نیچے فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے:

"تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف وقتوں میں مسیحیوں پر ظلم ہُوا تھا اور مختلف علاقوں میں ہُوا تھا۔ چنانچہ ایک زمانہ میں روم میں زیادہ ظلم ہُوا تھا اور ایک زمانہ میں اسکندریہ میں زیادہ ظلم ہُوا تھا۔ کیونکہ اسکندریہ بھی رومیوں کے ماتحت آگیا تھا۔ ان مظالم کے لحاظ سے کبھی وہ لمبے عرصہ تک غار میں چُھپنے پر مجبور ہوئے اور کبھی تھوڑے عرصہ تک لوگوں نے ناسمجھی سے ان وقفوں کو مختلف اور مستقل وقفے سمجھ لیا اور لگے تخمینہ سے باتیں کرنے جن تخمینوں کو اس آیت میں ردّ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ تخمینے مختلف وقتوں کے لحاظ سے ہیں ورنہ اصل وقفہ جو ساری قوم پر گزرا اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اس پیشگوئی کا ایک اظہار اس آیت کی تفسیر میں نظر آتا ہے۔ آپؓ نے اس آیت کی تفسیر و تشریح میں کمال حکمت اور سوچ سے 309 کا عرصہ ثابت فرمایا ہے جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا۔ آپؓ تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں قدیم اصحابِ کہف کی مصیبتوں کا زمانہ بتایا ہے جس زمانے تک کہ ان پر ظلم ہوتے رہے اور ان کو بار بار غاروں میں جا کر چھپنا پڑا۔ فرماتا ہے کہ وہ تین سو نو سال کا زمانہ ہے۔ تاریخ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ مصائب کا زمانہ حضرت مسیحؑ کے صلیب پانے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور پورا امن کانسٹنٹائن (بانیٔ قسطنطنیہ) کے عیسائی ہو جانے کے وقت حاصل ہوا ہے۔ کانسٹنٹائن سن 337 میں عیسائی ہوا ہے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد 5 صفحہ 676) بظاہر یہ زمانہ قرآنی بیان کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم مسیحی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے۔ اصل سال جس میں کانسٹنٹائن بادشاہ روم عیسائی ہوا 309ء ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ خود مسیحی جغرافیہ نویسوں نے تسلیم کیا ہے کہ مسیحی کلینڈر میں غلطی ہوگئی ہے چنانچہ آرچ بشپ اشرز (Ushers) نے اپنی کتاب علم تاریخ (کرونولوجی) میں اور ڈاکٹر کٹو (Kitto) نے اپنی کتاب "ڈیلی بائیبل السٹریشنز" میں ثابت کیا ہے کہ جو تاریخ مسیح کلینڈر میں واقعہ صلیب کی دی گئی ہے وہ غلط ہے اور یہ غلطی 527ء میں لگی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخ سے صرف چار یا چھ سال پہلے مسیح پیدا ہوئے تھے۔ پس اس وقت ان کی عمر صرف چار سے چھ سال تک کی ہوتی ہے لیکن وہ صلیب 33 سال کی عمر میں لٹکائے گئے تھے۔ اب اس بیان کے مطابق اگر چار اور چھ کی اوسط نکالی جائے تو پانچ بنتی ہے۔ چونکہ مسیح کو صلیب 33ویں سال میں دیا گیا تھا اس لئے مسیحی سَن میں سے 28 سال منہا کرنے پڑیں گے کیونکہ مسیح کلینڈر سے 28 سال بعد صلیب کا واقعہ ہوا ہے۔ اب اٹھائیس سال کو 337ء میں سے نکال لو تو پورے **309** سال ہوتے ہیں۔ یہ تو مسیحی روایات کو صحیح تسلیم کر کے ہے ورنہ اگر یہ شہادت نہ بھی ہو تو قرآن کریم جس کی سب خبریں بائبل کے مقابل میں صحیح ثابت ہوتی ہیں اس کی بات کو بہر حال مقدم کرنا ہوگا۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ لمبے مصائب سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ہم سے پہلے مسیحی جماعت کو **تین سو نو** سال تک دُکھ دیے گئے، لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا اور آخر اس صبر کا نہایت شیریں پھل کھایا۔ پس تم کو جلدی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے اور استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا چاہیے۔"

(تفسیر کبیر جلد 4 صفحہ 440-441)

سامعین! سورۃ النور میں بھی اللہ تعالیٰ نے مِائَةُ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ آیت 3 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

زناکار عورت اور زناکار مرد، پس ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اللہ کے دین کے تعلق میں اُن دونوں کے حق میں کوئی نرمی (کا رُجحان) تم پر قبضہ نہ کر لے اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے والے ہو۔ اور اُن کی سزا مومنوں میں سے ایک گروہ مشاہدہ کرے۔

(ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع سورۃ النور آیت 3)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"بعض وقت انسان مار کھانے سے درست ہوتا ہے اور بعض اوقات مار دیکھنے سے۔ زنا کی سزا کے لئے بھی خدا نے کہا ہے کہ لوگوں کو دکھا کر دی جائے۔ اسی طرح دوسروں کو تازیانہ پڑ رہا ہے اور ہماری جماعت دیکھ رہی ہے۔ بہت سے آدمی تھے جنہوں نے ہمارے منشاء اور ارادہ کو آج تک نہیں سمجھا تھا مگر اب خدا ان کو دوسروں کو تازیانہ لگا کر سمجھا رہا ہے۔ طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طائفہ میں کوئی کسر ہوگی۔ اس کی اصلاح اس طرح سے ہو جائے گی کہ وہ دوسرے کو اصلاح ملتی دیکھ کر اپنی اصلاح کریں گے اور اس میں کُل مومنوں کو بھی نہیں کہا بلکہ ایک طائفہ کو کہا ہے"

(تفسیر حضرت مسیح موعود جلد 6 صفحہ 81)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ

"زانی مرد اور عورت ہر ایک کو اُن دونوں میں سے ایک سو کوڑہ مارو۔ یہ پہلا حکم ہے جو اس سورۃ شریف میں نازل ہوا کہ جب کسی مرد اور عورت پر زنا کا الزام ثابت ہو جائے تو ان کی سزا یہ ہے کہ مرد کو بھی 100 کوڑے مارے جائیں اور عورت کو بھی 100 کوڑے مارے جائیں"

(حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 200)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قرآن کریم کی دو آیات سے تطبیق کر کے فرمایا:

" قرآنِ کریم کی اس آیت سے بالبداہت ثابت ہے کہ زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا ایک سو (100) کوڑے ہیں، اور سورۂ نساء رکوع 4 میں آتا ہے کہ یہ سزا اُن عورتوں اور مردوں کے لیے ہے جو آزاد ہوں۔ جو عورتیں آزاد نہ ہوں، ان کی سزا بدکاری کی صورت میں نصف ہے، یعنی پچاس کوڑے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء :25) یعنی جب وہ عورتیں جو آزاد نہ ہوں اور دوسرں کے نکاح میں آجائیں تو اگر وہ کسی قسم کی بے حیائی کی مرتکب ہوں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی نسبت نصف ہوگی۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مقرّرہ سزا ایسی ہے جو نصف ہوسکتی ہے اور سو کوڑوں کی نصف سزا پچاس کوڑے بن جاتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اس آیت کے متعلق یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سزا بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی شکل میں بدل دی تھی۔ یعنی آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ بجائے اس کے کوڑے مارے جائیں، رجم کرنا چاہیے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اگر یہ معنے کئے جائیں تو نہ صرف محوّلہ بالا آیتِ نور ہی منسوخ ہو جاتی ہے، بلکہ سورۂ نساء کی آیت بھی بالکل بے معنی ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں صاف بتادیا گیا ہے کہ لونڈی کی سزا آدھی ہے اور رجم کا آدھا قیاس میں بھی نہیں آسکتا۔ پس اس آیت کی صریح اور واضح مفہوم کے ہوتے ہوئے اور سورۂ نساء کی آیت کی تصدیق کی موجودگی میں یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے کہی جاسکتی ہے کہ قرآنِ کریم میں زنا کی سزا آزاد عورت اور مرد کے لیے سو کوڑے ہیں اور لونڈی یا قیدی کے لیے پچاس کوڑے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 248)

سامعین! اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ پر مِائَةٌ اور مِائَتَيْنِ کے الفاظ کا استعمال سورۃ الانفال آیات 66۔67 میں کیا ہے اور ساتھ ہی دو دفعہ اَلْف کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جن کے معنی ہزار کے ہیں۔ ہزار کا لفظ بھی کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے ہزار بار یعنی اکثر، بارہا۔ ہزار دفعہ اور ہزار پر بھاری بھی ایک محاورہ ہے یعنی بڑی تعداد پر غالب ہونا۔ کہا جاتا ہے۔ ہزار گھر پھرنے والی۔ ایسی عورت جو ہر گھر میں پھرتی رہے۔ ہم حضرت خلیفۃ المسیح کے لئے یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ مَیں حضور پر ہزار جان سے فدا ہوں۔ یعنی ایسا عاشق جو اپنی ہر چیز فدا کرنے کو تیار ہو۔ ویسے تو ہزار یا ہزاروں پر بیسیوں محاورے ہر زبان میں موجود ہیں۔ ایک اور بیان کر کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہیں۔ لکھا ہے۔ ہزار باتوں کی ایک بات یعنی مختصر اور عمدہ بات۔ قرآن کریم اپنے فصیح و بلیغ کلام میں اس محاورہ پر عمل پیرا نظر آتا ہے۔ محوّلہ بالا دو آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی اصول کو اپنایا ہے۔

جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اے نبی! مؤمنوں کو قتال کی ترغیب دے۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ کفر کرنے والوں کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ سمجھتے نہیں۔

سرِدست اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تم میں ابھی کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

(ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع سورۃ الانفال آیات 66۔67)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کے تحت فُٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے۔

(نوٹ نمبر 1) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ مؤمنوں کو قتال کی تحریض کریں۔ اگرچہ وہ تھوڑے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اپنے سے دس گنا زیادہ پر غالب آسکتے ہیں۔ لیکن یہ مراد نہیں کہ ہر اکیلا شخص اپنے سے دس گنا لوگوں پر غلبہ پالے گا۔ ایک معیّن تعداد بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر سو 100 ہوں تو ہزار پر غلبہ پالیں گے جو عین ممکن ہے۔

(نوٹ نمبر 2) اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ سردست تمہاری کمزوری کی حالت ہے۔ نہ پوری خوراک میسّر ہے، نہ ہتھیار میسّر ہیں۔ اس لیے تم اگر سو ہو تو دو سو پر غلبہ پاؤ گے، لیکن جب تمہارا رعب قائم ہو جائے گا تو آنے والی نسلوں میں ہزار، دس ہزار پر بھی غالب آسکے گا۔ آنے والی نسلوں کے لیے جو بڑی فتح کی پیشگوئی فرمائی گئی ہے، اس کی بنیاد ابتدائی مؤمنوں نے ہی ڈالی تھی۔

(ترجمۃ القرآن، سورۃ الانفال آیات 66۔67)

سورۃ الصافّات کی آیت 148 میں حضرت یونسؑ کے واقعہ مچھلی کے پیٹ سے باہر آکر ایک لاکھ (مِائَةُ أَلْف) سے زائد لوگوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث ہونے کا ذکر ہے۔ جس پر یہ تمام لوگ ایمان لے آئے۔ جس کی تفصیل ایک ہزار والی تقریر میں ہوگی۔ ان شاء اللہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فِيمَا أَعْلَمُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا

(سنن أبي داود کتاب الملاحم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایسا مجدد بھیجے گا جو اس امت کے دین کی تجدید کرے گا۔ یعنی امت میں جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہوگا اس کی اصلاح کرے گا اور دین کی رغبت اور اس کے لئے قربانی کے جذبہ کو بڑھادے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”یہ ہر احمدی کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ دین کی ذاتی خوبیوں کو پیش کرنے کے لئے قرآن کریم کا علم حاصل کریں اور پھر اپنے نیک نمونے قائم کرکے دنیا کو اپنی طرف کھینچیں۔“

(خطبات مسرور جلد نمبر 13 صفحہ 933)

(کمپوزڈ: حافظ جہانزیب قریشی۔ بیلجئیم)

✿✿✿✿